

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

یورپ بیداری سے پہلے

یورپ مسلمانوں کو جاہل و ناخواند قوم ہونے کا طعنہ دیتا ہے، اور اس کی ذمہ داری اسلام پر ڈالتا ہے، حالانکہ یہ وہی یورپ ہے، جس نے مسیحیت کی ماتحتی میں ہزار سالہ مدت ایک ان پڑھ قوم کی حیثیت سے بسر کی ہے، جس میں یورپ کے بڑے بڑے لیڈر ان پڑھ اور جاہل تھے۔ لاولیس رامبو (Lavis Et Rambaud) اپنی کتاب ”تاریخ عام“ (Histoire Generale) میں کہتا ہے:

”انگلینڈ ساتویں صدی عیسوی سے لیکر دسویں صدی عیسوی تک انتہائی غریب اور پسماندہ تھا، خارجی دنیا سے بالکل کٹا ہوا تھا، وحشت و بربریت اور درندگی کا دور دورہ تھا، مکانات کچی مٹی کے بنائے جاتے تھے، مہلک امراض اور وباں عام تھیں، انسان جانوروں سے بھی گیا گزرا تھا، سردار قوم بھی اپنی پوری فیملی کے ساتھ ایک چھوٹے جھونپڑے میں رہتا تھا، پورا یورپ اس وقت گھنے جنگلات پر مشتمل تھا، زراعت و کاشتکاری نہ ہونے کے برابر تھی، خانہ جنگی، قتل و غارتگری اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا، پیرس اور ولندرامیں مکانات گھاس پوس کے ہوتے تھے، جن میں نہ کھڑکیاں ہوتیں، اور نہ کمرے، بستر اور چٹائی کا وجود نہ تھا۔ مرد، خواتین اور بچے غرض پوری فیملی ایک چھوٹے اور تنگ و تاریک کمرہ میں رات گزارتی تھی، اور اسی میں پالتو جانوروں کو بھی ٹھہراتے تھے، وہاں نہ سڑکیں تھیں، نہ نالیاں اور نہ ہی چراغ اور نہ روشنی کا کوئی سامان“

مورخ ڈریپر (Draper John William) کہتا ہے:

”یورپ میں جہالت کا دور دورہ تھا، اوہام و خرافات کی حکمرانی تھی، علاج و معالجہ سب مقدس مقامات کی زیارت پر منحصر رہ گیا تھا، فن طب مردہ ہو چکا تھا، جوگیوں اور شعبہ بازوں کی دکانیں چمک اٹھی تھیں۔“

رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) لکھتا ہے:

”پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ

تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جا رہی تھی، اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیونکہ اس کی مثال ایک بڑی تمدن کی لاش کی سی تھی، جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے، اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا، اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا، جیسے اٹلی، فرانس وہاں تباہی، طوائف الملو کی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔“

میکسم پٹی (Maxime Petit) اپنی کتاب ”تاریخ عام“ میں لکھتا ہے:

”پرانی دنیا گیارہویں صدی عیسوی میں دو حصوں میں منقسم تھی، مغرب اور مشرق، مغرب چھوٹے چھوٹے بے حیثیت شہروں پر مشتمل تھا، جہاں کسانوں کی جھونپڑیاں اور بے ہنگم گھر تھے، قلعوں کی تعمیر میں کسی فنی اصول کی رعایت ملحوظ نہ رکھی گئی تھی، وہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا، رہزنی و قزاقی کے خوف سے دس قدم بھی چلنا دو بھر تھا، دوسری طرف مشرق میں قسطنطنیہ، قاہرہ، دمشق و بغداد کے سے عظیم الشان آباد و پر رونق شہر تھے، جو اپنے حسن و دلکشی اور جاذبیت و دلبرائی میں الف لیلائی دنیا کے شہر معلوم ہوتے، یہاں قیمتی پتھروں اور سنگ مرمر کے مکانات تھے، مساجد و مدارس، اسکول، تربیتی مراکز اور خانقاہوں کی کثرت تھی، بڑے بڑے پر رونق بازار تھے، جگہ جگہ وسیع اور سایہ دار باغات کا انتظام تھا، نظام آب پاشی تھا، جس کی وجہ سے کھیتیاں اور باغات سرسبز و شاداب تھے، تجارت شباب پر تھی، تاجر نہایت اطمینان کے ساتھ اسپین سے ایران تک کا سفر کرتے تھے۔“

سینو بوس (Sanyo Boss) کہتا ہے:

”عالم اسلام اور بیزنطینی دنیا مغربی دنیا سے خوشحالی، حسن نظام اور روشنی علم و ہنر میں ممتاز اور فائق تھے، خود نصرانی اپنے اندر تہذیبی و تمدنی نقص اور کمی محسوس کرتے تھے، اور مشرق کی علمی و تمدنی ترقی سے مبہوت تھے، ان میں جس کو پڑھنے کا شوق ہوتا، وہ دنیاے عرب کا رخ کرتا، وحشی اور غیر متمدن نصرانی، متمدن مسلمانوں کا گہوارہ علم و ہنر اور جائے امن و امان میں جنگ اور تجارت دور استوں سے داخل ہوئے“

پانچویں صدی ہجری میں جب صلیبی مشرق میں داخل ہوئے، اور مسلمانوں کے متمدن اور منظم شہر دیکھے تو ان کی حیرت کی انتہاء نہ رہی۔

خليفة عباسی ہارون رشید کا معاصر یورپی شہنشاہ اعظم شارلیمان جس وقت ناخواندگی اور جہالت کی

تاریکی میں تھا، عرب علماء بغداد اور قرطبہ میں فلسفہ، علوم و فنون اور ادبیات کے میدان میں نئے نئے گوشے وا کر رہے تھے، نادر تحقیقات پیش کر رہے تھے، اور یونانی، کلدانی پہلوی، عبرانی زبانوں سے علوم عربی زبان منتقل کئے جا رہے تھے، عباسی خلیفہ منصور کیلئے عجمی زبان سے عربی میں ترجمے کئے گئے، ارسطاطالیس کی منطق، ہندسہ، فلکیات کے موضوع پر کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، یونانی، پہلوی، فارسی اور سریانی زبانوں سے قدیم کتابوں کو عربی میں منتقل کیا گیا، یہ کتابیں عام لوگوں کے سامنے پیش کی جاتیں تو وہ ان کو حاصل کر کے ان کے مطالعہ میں غرق ہو جاتے۔

یورپی امراء و سلاطین میں جہالت اور ناخواندگی کے عموم کی وجہ سے ان میں بربریت و درندگی غالب تھی، وہ قیدیوں کو قتل کر دیتے ہیں، عورتوں کی آنکھیں پھوڑ دیتے، ان کی ناک، کان کاٹ لیتے، درندگی اور قسارت قلبی کی یہ حالت چودھویں اور پندرہویں عیسویں تک قائم رہتی، وہ معمولی معمولی بات پر سالہا سال لڑتے رہتے، ان کا مقصد زندگی صرف اور صرف لوٹ کھسوٹ تھا، تاجروں کو سہراہ روک لیتے، ان کو قیدی بنا لیتے اور ان کو سخت اذیت پہنچاتے۔

ڈوزی (Dozy) لکھتا ہے:

یورپ میں لوگ جہالت کی تاریکی میں سرگراں تھے، انہیں کہیں روشنی نظر نہیں آتی، روشنی تو صرف مسلمان کی طرف سے آرہی تھی، علوم و فنون، ادبیات، فلسفہ، صنعت اور زندگی کے دیگر میدانوں میں امت اسلامیہ رہبری کر رہی تھی، بغداد، سمرقند، بصرہ، دمشق، قیروان، مصر، ایران، غرناطہ، اور قرطبہ، علم و معرفت، کے عظیم مراکز تھے، مملکت اسلامیہ میں چھوٹے مدرسے اور مسجدیں بھی بڑے بڑے کتب خانوں سے معمور تھیں جہاں ہر شخص کو پڑھنے کی اجازت تھی، جبکہ یورپ کے مرکزی شہر دیہاتوں کی طرح تھے، جہاں نہ تو علم تھا، اور نہ آبادی، یورپ مادی، ادبی، تہذیبی، اور علمی ہر اعتبار سے بڑا پسماندہ تھا۔

ایک انگریز مؤرخ کہتا ہے:

”اسلامی اندلس میں اس وقت گھر گھر علم کا چرچا تھا، جب کہ مسیحی دنیا میں بجز چند افراد کے کوئی

لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا۔“

رابرٹسن (Robertson) لکھتا ہے:

”پندرہویں صدی عیسوی کی ابتداء میں اندلس کے بہت سے شہر یورپ کے باقی شہروں سے زیادہ آباد اور مالا مال تھے، عربوں نے اپنے دور حکومت میں اپنے زیر اثر شہروں میں

کارخانے اور انڈسٹریاں قائم کیں۔“
مسلمانوں کے ملک علمی و تعلیمی اداروں سے آباد تھے، جہاں اہل علم کا انتخاب مذہب کے بجائے
ان کی علمی صلاحیت اور ان کے اختصاص کی بنیاد پر ہوتا تھا۔
گیبن (Gibben) لکھتا ہے:

”صوبوں کے مسلمان گورنر اور وزراء علم اور اہل علم کی خدمت، اکرام، اسکولوں، تعلیمی اداروں
کی دیکھ بال، اور نادار طلبہ کی کفالت میں امراء اور بادشاہوں سے مقابلہ کرتے تھے، اس تنافس
سے تحصیل علم کا ذوق و شوق عام ہو گیا، اور اس طرح سمرقند و بخاری سے لے کر فارس اور قریطہ
تک لوگوں میں پڑھنے لکھنے کا عام چلن ہو گیا اور تعلیم و تعلم محبوب مشغلہ بن گیا، نظام الملک طوسی
نے ایک سال میں بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی تعمیر و ترقی میں دوسو ہزار دینار خرچ کیے، اس میں
پڑھنے والوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔“

گستاوی لیبان (Gustave lebon) لکھتا ہے:

یورپ میں جہالت و ناخواندگی کی تاریکی طویل عرصہ سے چھائی چلی آرہی تھی، گیارہویں بلکہ
بارہویں صدی عیسوی میں علم کی طرف کچھ میلان شروع ہوا، جب بعض روشن دماغ یورپین میں یہ
احساس پیدا ہوا، کہ جہالت کے کفن کو اتار پھینکا جائے، تو عربوں کا رخ کیا، اور ان سے کسب فیض
حاصل کیا، اس لئے کہ عرب ہی اس زمانہ میں علم و فن کے رہبر و سرچشمہ تھے۔

۱۱۳۰ء میں پادریوں کے سربراہ ریونڈل کی نگرانی میں دارالترجمہ قائم ہوا، جس نے مشہور عرب
مصنفین کی تصنیفات لاطینی زبان میں منتقل کی، اس کے بعد عربی سے لاطینی اور یورپ کی دیگر زبانوں میں
ترجمے شروع ہوئے، اس طرح یورپ ایک نئی دنیا سے روشناس ہوا، لاطینی زبان میں صرف رازی،
ابوالقاسم اور ابن رشد ہی کی تصنیفات ترجمہ نہیں ہوئیں، بلکہ یونانی حکماء اور فلاسفہ مثال کے طور پر جالینوس،
بقراط، افلاطون، ارسطو، اور بطلمیوس کی وہ کتابیں بھی لاطینی زبان میں منتقل ہوئیں، جن کو مسلمانوں نے اپنی
عربی زبان میں منتقل کیا تھا۔

ایک انگریز مؤرخ کے مطابق مغرب نے صرف طب میں ۳۰۰ کتابیں عربی سے لاطینی زبان
میں منتقل کیں۔

تیرہویں صدی میں اٹلی میں ان تعلیم یافتہ افراد کی بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی، جنہوں نے اندلس میں
عربی اور اسلامی تہذیب و تمدن سے واقفیت حاصل کی تھی، چنانچہ اس طرح عربی زبان کی مدد سے یورپ

ارسطو اور اس کی تصنیفات سے واقف ہوا، اور یہ واقفیت عربی زبان میں کئے گئے ترجموں کی مدد سے ہوئی یہ عرب ترجمے اور عربی کتابیں، طویل عرصہ تک یورپ کے ان کالجوں اور دانش گاہوں میں شامل نصاب رہیں جو عربی مدارس کے طرز پر قائم کئے گئے تھے۔

جرمن مستشرق ڈاکٹر زیگرڈ ہونکہ شمس الاسلام تطلع علی الغرب (مغرب پر اسلام سورج طلوع ہو رہا ہے) میں رقمطراز ہیں:

”چھ صدیاں پہلے پورے یورپ میں صرف پیرس کے میڈیکل کالج میں ایک چھوٹی لائبریری تھی جس میں صرف ایک کتاب تھی اور وہ بھی ایک عرب مصنف کی یہ بڑی قیمتی اور پرازمعلوم تھی، اس وقت کے سارے نھرائیوں کے بادشاہ لوئس یازدہم نے ایک مرتبہ اس کتاب کو عاریتہ لینا چاہا تو اسے بھی بطور ضمانت ایک خطیر رقم جمع کرنا پڑی، لوئس کا مقصد یہ تھا کہ اس کے پرائیوٹ معلمین اس کتاب کی ایک نقل تیار کر لیں تاکہ جب بھی بادشاہ سلامت کو عارضہ اور کوئی بیماری لاحق ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جاسکے یہ کتاب کیا ہے، ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا، اس میں ۹۲۱ء تک تک کے تمام قدیم یونانی طبی علوم جمع کردئے گئے ہیں۔“

مزید لکھتی ہیں:

”رازی نے میڈیکل سائنس اور طبابت کے موضوع پر جو ضخیم اور عظیم کتاب تصنیف کی ہے، وہ یورپ میں ۱۴۹۸ء-۱۴۶۶ء چالیس مرتبہ طبع ہوئی اس میں نفرس، پھری مٹانہ، گردے اور بچوں کے امراض کے متعلق بحث کی گئی ہے، اور یہ اپنے موضوع پر رجحان اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔“

آگے لکھتی ہیں:

”اگر ہم یہ کہیں تو اس میں کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں کہ یورپ نے تقریباً تین سو سال تک صرف اور صرف عربوں کی ہی تصنیفات اور تحقیقات پر کلی اعتماد کیا ہے۔“

میسولٹری لکھتے ہیں:

”اگر تاریخ میں عرب منصہ شہود پر نمودار نہ ہوتے تو علوم و فنون اور تہذیب و تمدن میں یورپ کی بیداری کئی صدی اور مؤخر ہو جاتی۔“

خود اہل مغرب نے اس کا اعتراف کیا ہے اور بیداری سے پہلے اپنی علمی محرومی اور تعلیمی پسماندگی کا تذکرہ کیا ہے اس وجہ سے اس زمانہ (۵۰۰ء-۱۱۰۰ء) تاریک دور (Dark Age) شمار کیا ہے۔ (جاری ہے)